۵۴

کامل عبد بن کر ہی مسلمان ترقی کر سکتے ہیں

(فرمودہ ۱۳/ جولائی ۱۹۲۸ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:
سورۃ فاتحہ کی نسبت قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مضامین کی اصل اور جڑ ہے اور وہ تمام مطالب اصولی طور پر سورۃ فاتحہ میں بیان ہوئے ہیں جو تفصیلی طور پر بقیہ سورتوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کریم پر غور کرنے اور اسے سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کی ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں اور ان کا تجربہ شاہد ہے میرا اپنا ذاتی تجربہ بھی یہی ہے کہ تمام مذاہب کا رد اسلام کی صداقت کے دلائل اور اسلامی مسائل کے اصول اس میں موجود ہیں۔ متواتر میں نے اس بات کا تجربہ کیا ہے کہ کسی مضمون کے متعلق بھی اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کی ضرورت ہو اس وقت اس قدر فرصت نہ ہو یا سامان موجود نہ ہوں کہ سارے قرآن پر غور کیا جاسکے تو سورۃ فاتحہ پر ہی غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک واقعہ جو طالب علمی کے زمانہ کا ہے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ میں سکول میں باقاعدہ تو تعلیم نہ پاتا تھا پرائیویٹ تیاری کرتا تھا۔ امرتسر ٹورنامنٹ پر سکول کے لڑکے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ کھیل دیکھنے چلا گیا۔ میری عمر اس وقت غالباً سولہ سترہ سال کی تھی اور میرے لئے اس سے پہلے کسی دوسرے مقام پر تقریر کرنے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ ہماری ٹیم کا مقابلہ خالصہ سکول کی ٹیم سے ہوا۔ خالصہ سکول کی ٹیم عام طور پر ہمیشہ مسلمانوں کو شکست دیا کرتی تھی اس سال ہماری ٹیم نے اسے شکست دی اور جیسا کہ قاعدہ ہے مسلمانوں میں خواہ کتنے اختلاف ہوں کھیلوں کے موقع پر اکٹھے ہو جاتے ہیں ایسا ہی امرتسر میں ہوا۔ مسلمانوں نے ہماری ٹیم کی بہت تعریف کی اور اس کی کامیابی پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ اس تقریب میں ایک صاحب نے دعوت کی اور اس موقع پر

مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا۔ اس سے قبل مجھے باہر جا کر کبھی تقریر کرنے کا موقع نہ ملا تھا اور شاید قادیان میں بھی کبھی ملا تھا یا نہیں یہ مجھے یاد نہیں۔ اس وقت اچانک مجھے تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اس لئے بھی کوئی مضمون میرے ذہن میں نہ تھا۔ میں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور اتفاق ایسا ہؤا کہ انہی دنوں میں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں سے نئے سے نئے مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ اس کا ذکر میں نے دوستوں سے کیا ہؤا تھا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے یہ کہا ہؤا ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھی ہے اگر اس وقت میرے ذہن میں سورۃ فاتحہ کا کوئی نیا مضمون نہ آیا تو دوست کہیں گے خواب تو پورا نہ ہؤا۔ حالانکہ یہ ضروری نہ تھا کہ جب بھی سورۃ فاتحہ پڑھی جائے جب ہی کوئی نیا مضمون سوجھے کیونکہ کسی چیز کا موجود ہونا اور بات ہے اور اس کا اس وقت نکال جانا اور بات ہے۔ مگر اس وقت مجھے تردد ضرور پیدا ہؤا۔ اور میں نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ نے ایسا مضمون سمجھایا کہ اب بھی عمر کے لحاظ سے حیران ہوتا ہوں۔ اور ایسا نکتہ تھا جو کسی مفسر نے اس سے قبل نہیں لکھا تھا اور ایسا سچا تھا کہ میں حیران تھا کیوں پہلے مفسرین کے ذہن میں نہ آیا۔ وہ یہ بات تھی کہ سورۃ فاتحہ کے آخر میں یہ دعا سکھائی گئی ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ[1] کہ الٰہی ہم مغضوب علیہم اور ضالین نہ بن جائیں۔ رسول کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے اور قرآن سے بھی پتہ لگتا ہے کہ عیسائیوں کو ضال کہا گیا ہے اور یہودیوں کو مغضوب۔ کئی حدیثیں جو تواتر کا درجہ رکھتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ضال عیسائی ہیں اور مغضوب یہودی[2]۔ ایک طرف تو یہ بات ہے اور دوسری طرف یہ ہے کہ مکہ میں جہاں سورۃ فاتحہ اتری نہ عیسائی تھے نہ یہودی۔ عیسائی تو شاذ و نادر غلاموں کی صورت میں یا ایک دو اور پائے جاتے تھے جیسے ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے مگر ان کی سیاسی حیثیت نہ تھی۔ اور یہودی تو بالکل نہ تھے۔ مگر دعا یہ سکھائی جاتی ہے کہ الٰہی ہم ضال اور مغضوب نہ بن جائیں حالانکہ اس وقت جو لوگ اسلام کی مخالفت کر رہے تھے اور مسلمانوں کو گھروں سے بھی نہ نکلنے دیتے تھے وہ مشرک تھے۔ اس وقت مکہ میں مسلمانوں کے یہودی یا عیسائی ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ اگر خطرہ تھا تو یہ تھا کہ مسلمان مشرک نہ ہو جائیں جیسا کہ بعض کمزور لوگ ہو گئے۔ رسول کریم ﷺ کا کاتب وحی مرتد ہو گیا تھا۔ پس ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو ماننے والے بوجہ کمزوری ایمان اور تکالیف برداشت نہ کر سکنے کے مشرک ہو گئے گو بہت قلیل تعداد میں

ہوئے مگر ہوئے۔ اور یہودی یا عیسائی ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ یہودی اور عیسائی وہاں تھے ہی نہیں۔ اور کوئی ایک آدھ تھا تو اسے کوئی سیاسی اہمیت حاصل نہ تھی اور نہ اس کی طرف سے مسلمان ہونے والوں کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی مگر اس وقت خدا تعالیٰ نے دعا یہ سکھائی کہ مسلمان کہیں ہم یہودی اور عیسائی نہ بن جائیں۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ عرب کے مشرک چونکہ بالکل مٹ جانے والے تھے اور ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہنا تھا مگر یہودیوں اور عیسائیوں نے باقی رہنا تھا اس لئے یہ دعا سکھائی گئی۔ گویا مکہ میں ہی اس وقت جب مسلمان سخت تکالیف اور مشکلات میں تھے یہودیوں اور عیسائیوں کے قائم رہنے اور عرب کے بت پرستوں کے مٹ جانے کی پیش گوئی کی گئی تھی جو نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہوئی۔ غرض رسول کریم ﷺ نے ان ابتدائی ایام میں جب کہ صرف چند لوگ ایمان لائے تھے تیس چالیس سے زیادہ نہ تھے۔ عرب کے مشرکوں کی سارے ملک میں حکومت تھی۔ مسلمانوں پر انہیں ہر طرح غلبہ حاصل تھا۔ مسلمان ان کے ظلم وستم کی وجہ سے گھروں سے باہر نکل کر عبادت بھی نہ کرسکتے تھے۔ اس وقت آپؐ نے بتایا کہ یہ قوم بالکل مٹ جائے گی اور اس کی طرف سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ اس لئے انہیں اس دعا سے خارج کر دیا گیا۔

تو سورۃ فاتحہ میں ایسے مطالب بیان کئے گئے ہیں کہ اگر انسان اس پر غور کرے تو نہایت عجیب نکات معلوم ہوتے ہیں۔ اس وقت میں سورۃ فاتحہ کے جس مضمون کے طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں بیان کیا گیا ہے۔ آج کل مسلمانوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ کس طرح ترقی کریں اور کس طرح ذلت اور ادبار سے بچیں۔ اس کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ میرے نزدیک ترقی کرنے کا طریق اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں بتایا گیا ہے۔ اس کے معنی عام طور پر یہ کئے جاتے ہیں کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور عبادت کا مفہوم یہ سمجھا جاتا ہے کہ نمازیں پڑھی جائیں' روزے رکھے جائیں' حج کیا جائے' زکوٰۃ دی جائے اور اس کا معاوضہ یہ مانگتے ہیں کہ ہم دنیا میں ترقی کریں۔ اس میں شبہ نہیں کہ عبد اور عبودیت ایک ہی مادہ سے بنتے ہیں اور بندہ اور خدا میں فرق کرنے کے لئے یہ رکھے گئے ہیں لیکن اصل عبد کے معنی ایسا بن جانے کے ہیں کہ دوسرے کے نقش اپنے اوپر لگ جائیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص چٹائی پر لیٹا ہو اور اس کے نقش اس کے جسم پر لگ جائیں۔ یا

زمین پر جالی دار چیز پر لیٹا ہو اور اس کے نقش جسم پر پڑجائیں تو یہ عبودیت کے مفہوم میں آجائے گا۔ پس عبودیت کے معنی دوسرے کے نقش اپنے اوپر لے لینا یعنی اس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لینا ہیں۔ غلام کا بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اس کی اپنی مرضی جاتی رہتی ہے اور وہ اپنے آقا کی مرضی اختیار کرلیتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا عبد بننے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ نماز پڑھے' روزے رکھے۔' حج کرے' زکوٰۃ دے یہ سب باتیں ہماری اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی کام ایسا نہیں جو الوہیت سے تعلق رکھے۔ زکوٰۃ ایک رنگ میں تعلق رکھتی ہے مگر زکوٰۃ کا مفہوم بندوں کے متعلق یہ ہے کہ اپنے مال کو پاک کرنے کے لئے دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کسی کو جو کچھ دیتا ہے وہ تو اس غرض سے نہیں دیتا پس یہ سب باتیں انسان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اصل عبادت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو انسان اپنے اعمال پر حاوی کرلے۔ خدا تعالیٰ انسانوں پر رحم کرتا ہے انسان بھی رحم کرے اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفات کے ایسے نمونے پیش کرے کہ دنیا کے لئے لیڈر بن سکے۔ پس عبد کامل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی الوہیت والی صفات کو اخذ کرے۔ جس طرح خدا تعالیٰ رب' رحمٰن' رحیم ہے۔ اسی طرح انسان بھی بنے بلکہ انسان کو چاہئے رب العالمین کی صفت اختیار کرے۔ یہی نہیں کہ اپنے رشتہ داروں اور تعلق رکھنے والوں سے سلوک کرے بلکہ سب مخلوق سے نیک سلوک کرے۔ ایک دہریہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی خدائی کا انکار کرتا ہے بلکہ گالیاں دیتا ہے مگر باوجود اس کے خدا تعالیٰ کی ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی رحمت اور شفقت اس سے نہیں ہٹالیتا۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ کا سلوک عام ہے اسی طرح انسان بھی عام سلوک کرے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ منّان ہے منّ اور احسان کرتا ہے اسی طرح انسان بھی کرے۔ خدا تعالیٰ غفار ہے لوگوں کے گناہوں اور عیبوں سے چشم پوشی کرتا ہے انسان بھی کرے۔ پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں جس عبودیت کی طرف اشارہ ہے وہ نماز سے یا روزہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اس سے میرا یہ مطلب نہیں کہ میں نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دوسرے شرعی اعمال کو عبادت سے خارج کرتا ہوں بلکہ یہ ہے کہ صرف یہی اعمال عبادت نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی اعمال ہیں جو انسان کے اخلاق' اس کے حسن سلوک' اس کے رحم اور اس کی چشم پوشی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی مطلب ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا۔ خدا تعالیٰ اس میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدائی صفات کو اپنے اندر جذب کرو تب تم کامل طور پر اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہنے کے مستحق ٹھہروگے۔

اب دیکھو یہ سوال کس عمدگی سے حل ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں پھر کیوں تنزل میں ہیں اور کیوں ترقی نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو جذب نہیں کرتے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمان ہر فن میں بڑھے ہوئے تھے اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے ترقی کرتے رہے۔ وہ اس لئے ہر بات میں کمال نہ حاصل کرتے تھے کہ دنیا حاصل کریں۔ جن لوگوں کے مدنظر صرف دنیا ہوتی ہے وہ جلدی گر جاتے ہیں۔ تو ایک زمانہ ایسا تھا کہ مسلمان ہر قسم کے کاموں میں حصہ لیتے اور اس سے ان کی غرض اسلام کی عزت بڑھانا ہوتی تھی۔ ان میں ایسی غیرت پائی جاتی تھی کہ سید احمد صاحب بریلویؒ کے مرید سید اسمٰعیلؒ شہید کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے سنا ایک سکھ اتنا اچھا تیرتا ہے کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کیا کوئی مسلمان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ گویا ان کے نزدیک مسلمان کسی بات میں پیچھے نہ رہ سکتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہؤا کہ کوئی مسلمان بھی اس کا مقابلہ تیرنے میں نہیں کر سکتا تو انہوں نے کہا یہ بہت شرم کی بات ہے اور وہیں تیرنے کی مشق کرنی شروع کر دی اور اتنا کمال پیدا کیا کہ کہہ دیا لاؤ میرے ساتھ وہ تیر لے۔ یہ کتنی معمولی بات تھی مگر انہوں نے اتنا بھی برداشت نہ کیا کہ تیرنے میں بھی کوئی مسلمانوں سے بڑھ جائے اور باتیں تو الگ رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان بہتر سے بہتر آدمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور ان میں بہتر آدمی پیدا ہوتے تھے۔ اب بھی مسلمانوں کی ترقی کا راز اسی میں ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کامل عبد بن کر دکھائیں۔ دنیا کے لئے ہر رنگ اور ہر پہلو میں مفید ہوں۔ میں جب یہ پڑھتا ہوں تو شرم کے مارے سر نیچا ہو جاتا ہے (گو ایک رنگ میں خوشی بھی ہوتی ہے کہ ایک ہندوستانی کا کمال ظاہر ہو رہا ہے) کہ ڈاکٹر بوس نے یہ کیا وہ کیا میں کہتا ہوں۔ ڈاکٹر بوس اگر ترقی کر کے شہرت حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمانوں میں سے کیوں ایسے آدمی پیدا نہیں ہوتے اور کیوں ان میں سے ایسے انسان نہیں نکلتے جو دنیا کے لئے اس طرح مفید ہوں۔ تو مسلمانوں کے لئے کامل عبد بننے کے واسطے ضروری ہے کہ وہ دنیا کو فائدہ پہنچانے والے کاموں میں ترقی کرنے لگ جائیں۔ جب تک یہ نہ ہوگا دنیا میں ان کو ترقی حاصل نہ ہوگی۔ اگر کوئی ایک آدمی بڑا ہوتا ہے تو وہ اپنی زندگی گذار کر چلا جاتا ہے اس سے قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ قومی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ساری قوم کمال پیدا کرے۔ پس جب تک مسلمان دنیا کے فائدہ کے لئے اپنے اندر صفات نہ پیدا کریں گے جب تک ان کی زندگیاں ان کے لئے نہیں بلکہ ساری قوم کے لئے

نہ ہوں گی تب تک وہ ترقی نہ کر سکیں گے۔ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے جب تم اپنے آپ کو اپنی قوم کے لئے اپنے ملک کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے مفید بناؤ گے تب جو مانگو گے وہ دوں گا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ جب تم مجھے پکارتے ہو تو میں تمہاری پکار کو سنتا ہوں اور دوسری طرف مسلمان مسجدوں میں کھڑے ہو کر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کی مدد نہیں کرتا اور انہیں ذلت اور نکبت سے نہیں نکالتا۔ اگر خدا تعالیٰ پر ایمان ہو تو یہی کہنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تو سچا ہے کہ جب مسلمان یہ کہتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو سچی عبادت نہیں کر رہے ہوتے۔ اچھا ملازم وہ ہوتا ہے جو سارا دن آقا کے کام میں لگا رہے۔۔ مسلمان دیکھیں کیا وہ خدا تعالیٰ کے کام میں لگے رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو خدا کے عبد نہیں کہلا سکتے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ دنیا کی بھلائی کے کاموں میں ترقی کریں مگر عام طور پر مسلمان ایسا نہیں کرتے۔ ایسے کام شاذو نادر ہی کسی کے ملیں گے۔ بعض لوگ انفرادی ترقی کرتے ہیں مگر اس سے قوم ترقی نہیں کر سکتی جیسے مسٹر بوس ترقی کر رہے ہیں مگر یہ ان کی اپنی ترقی ہے ان کی قوم کی ترقی نہیں۔ باقی ہندو قوم بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں ترقی کر رہی ہے لیکن یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ان کی ترقی بھی کچھ نہیں۔ یورپ کے لوگوں کے مد نظر قومی ترقی ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں سے بھی جب تک اکثر افراد ایسے نہ نکلیں گے جو اپنے لئے زندگی بسر نہ کریں بلکہ دوسروں کے لئے کریں اس وقت تک قومی ترقی کے لئے خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل نہ ہوگی۔ اور جب تک یہ نصرت حاصل نہ ہوگی مسلمانوں کی قوم بھی ترقی نہ کر سکے گی۔ ہمیں اس مقصد کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں بھیجا۔ غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر کام کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کو انعام بھی نہیں ملتا۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ساری قوم کی ترقی کا سوال کبھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔ اور اپنے وقت میں اپنی قوم اور اپنے ملک کی جو حالت پائیں اس سے بہتر حالت میں اسے چھوڑیں۔ پھر یہی نہیں کہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچانا ہے بلکہ ساری دنیا کے لئے بہتر اور مفید بننا ہے۔ جب ہمارا یہ مقصد ہو تو پھر دیکھو ہمارے حوصلے اور ہماری ہمتیں کس قدر بلند ہوتی ہیں۔ جس قدر مقصد اور مدعا بلند و بالا ہو اسی قدر زیادہ ہمت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ انسان کو خدا تعالیٰ نے اندازہ کرنے کی ایک خاص حس دی ہے۔ ایک ہاتھ جو سوئی اٹھا سکتا ہے وہ چار پانچ سیر کا بوجھ بھی اسی آسانی سے اٹھا لے گا کیونکہ

جتنی ضرورت ہو وہ حس اتنی ہی طاقت مہیا کر دیتی ہے۔ پس جب اعلیٰ مقصد ہو گا تو مسلمانوں کو اس کے مطابق طاقت اور ہمت بھی حاصل ہو جائے گی۔ جب تک ادنیٰ مقصد سامنے رہے گا کہ خود کھانا پینا اور بیوی بچوں کو کھلانا اور بس اس وقت تک قومی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بننا ہے۔ یعنی جس طرح خدا تعالیٰ کی صفات سب کے لئے جاری ہوتی ہیں اسی طرح ہم بھی کریں اور ساری دنیا کو فائدہ پہنچائیں۔ اور ساری دنیا کے لئے مفید ثابت ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کی صفات کو جذب کر سکیں اور پھر دنیا کو فائدہ پہنچا سکیں تا ہماری زندگی ایسی نہ ہو جیسی جانوروں کی ہوتی ہے کہ ہمارا دنیا میں آنا نہ آنا برابر ہو بلکہ ہم ایسے مفید نقش چھوڑنے والے ہوں کہ لوگوں کی نیک خواہشیں اور امیدیں ہمارے متعلق ہوں۔

(الفضل ۲۴ / جولائی ۱۹۲۸ء)

۱؎ الفاتحہ: ۷

۲؎ ترمذی ابواب التفسیر باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ ۔۔۔ الخ

۳؎ الفاتحہ: ۵ ۴؎ البقرۃ: ۱۸۷